درگزر کا باطنی عمل

معاف کر دینا بھول جانے، جواز تراشنے یا انصاف سے دستبردار ہونے کا نام نہیں ہے۔ یہ کسی دوسرے کی غلطی کی وجہ سے اپنے دل کو سخت کر لینے سے انکار ہے۔ بعض اوقات، اس کا مطلب ان باتوں سے چشم پوشی کرنا ہوتا ہے جنہیں بدلا نہیں جا سکتا؛ اور بعض اوقات اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے سچی توبہ کر لی ہے، تو اس بات کو بالکل ہی چھوڑ دیا جائے ۔ معاف کرنے کی سب سے گہری وجہ یہ نہیں ہے کہ دوسرے اس کے حقدار ہیں، بلکہ یہ ہے کہ ہم خود اللہ کی رحمت کے سہارے جیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ معافی جہاں گناہ گار کو بوجھ سے آزاد کرتی ہے، وہاں معاف کرنے والے کو بھی تکلیف سے محفوظ رکھتی ہے۔

میں نے ان سے ایک ایسا سوال پوچھا جو کافی عرصے سے میرے اندر بے چینی پیدا کر رہا تھا۔ قرآن ہمیں دوسروں کو معاف کرنے کی تلقین کرتا ہے، "کیا آپ نہیں چاہتے کہ اللہ آپ کو معاف کر دے؟" میں اس آیت کو سمجھتا ہوں۔ میرا اس پر ایمان بھی ہے۔ لیکن جب کوئی آپ کو تکلیف پہنچائے، آپ کی بے عزتی کرے، یا آپ کی عزتِ نفس کو ٹھیس پہنچائے، تو معافی کا جذبہ خود بخود بیدار نہیں ہوتا۔ چنانچہ، میں نے ان سے صاف لفظوں میں پوچھا: حقیقی زندگی میں اس کی اصل شکل کیا ہوتی ہے؟ انسان اپنے اندرونی وجود کی تعمیرِ نو کیسے کرے جو معافی کو ممکن بناتی ہے؟

وہ کچھ دیر کے لیے رکے، جیسا کہ وہ اکثر کرتے ہیں، اور پھر کہنے لگے، "پہلی بات تو یہ ہے کہ معافی کو ایک واحد اور سادہ تصور کے طور پر دیکھنا بند کیجیے۔

وہ میرے چہرے پر موجود الجھن کو صاف دیکھ سکتے تھے۔

انہوں نے وضاحت کی کہ جسے ہم سرسری طور پر معافی کہہ دیتے ہیں، اس میں دراصل مختلف اندرونی ردِ عمل شامل ہوتے ہیں جن کے درمیان واضح فرق کرنا ضروری ہے۔ ان کو ایک دوسرے کے ساتھ گڈمڈ کرنا ہی ذہنی و جذباتی خلفشار کا سبب بنتا ہے۔ انہوں نے کہا، "کسی کی غلطی سے چشم پوشی کرنے اور کسی کو دل سے معاف کر دینے میں فرق ہے۔"

انہوں نے سمجھایا کہ چشم پوشی کرنا اکثر پہلا اور سب سے ضروری قدم ہوتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ملامت نہ کرنے کا انتخاب کیا جائے، اپنے ذہن میں دوسرے شخص کی غلطی کو بار بار نہ دہرایا جائے، اور اپنے اندر اس کے خلاف مقدمہ قائم نہ رکھا جائے۔ بعض اوقات انسان کو یہ احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ غلطی پر ہے۔ بعض اوقات وہ سچے دل سے یہ سمجھتا ہے کہ وہ حق پر ہے۔ ایسے معاملات میں، سامنے والے سے پشیمانی کی امید رکھنا غیر حقیقت پسندانہ ہے۔ انہوں نے کہا، "ایسی صورتحال میں، آپ کی ذمہ داری ان کی اصلاح کرنا نہیں ہے۔ آپ کی ذمہ داری اپنے اخلاقی

معیار کی حفاظت کرنا ہے۔" چشم پوشی کا مطلب اس غلطی کی تائید کرنا نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ فیصلہ کرنا ہے کہ آپ کو ان کے معیار تک نیچے نہیں گرنا۔ میں ردِ عمل میں انتقام، کڑواہٹ یا اندرونی حقارت کا مظاہرہ نہیں کروں گا۔ یہ نادان بنے بغیر، نرم خو رہنے کا ایک شعوری انتخاب ہے۔

پھر وہ دوسری تہہ کی طرف بڑھے۔ "حقیقی معافی،" انہوں نے کہا، "بالکل ایک مختلف صورتحال سے تعلق رکھتی ہے۔"

اس کا اطلاق تب ہوتا ہے جب دوسرا شخص اپنی غلطی کو تسلیم کرے، شرمندگی محسوس کرے، اور معافی مانگنے کے لیے آگے آئے۔ اس مقام پر پہنچ کر، معافی ادھوری نہیں رہتی۔ یہ کسی شرط کے تابع نہیں ہوتی۔ یہ ایسا نہیں ہوتا کہ 'میں آپ کو معاف تو کرتا ہوں، لیکن یہ بات یاد رکھوں گا بلکہ یہ دل کو بالکل صاف کر لینے کا نام ہے۔ ان کی اس بات نے دل کو چھو لیا "جب کوئی سچے دل سے معافی مانگتا ہے، تو وہ بالکل وہی کام کر رہا ہوتا ہے جو آپ اللہ کے حضور کھڑے ہو کر کرتے ہیں۔"

جب میں اللہ سے معافی مانگتا ہوں، تو میں آدھی معافی کی امید نہیں رکھتا۔ میں گناہوں سے بالکل پاک ہو جانے کی امید رکھتا ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ بوجھ صرف کم نہ ہو، بلکہ بالکل ہٹ جائے۔ جب میں اپنے لیے اتنی بڑی معافی کی امید رکھتا ہوں، تو دوسروں کو آدھی ادھوری معافی دینے کا مجھے کیا حق ہے؟

یہ سوال میرے ذہن میں نقش ہو گیا۔

انہوں نے ایک اور بات کی وضاحت کی جسے میں غلط سمجھ رہا تھا۔ انہوں نے کہا، "معاف کر دینے سے جوابدہی (accountability) ختم نہیں ہو جاتی۔" اگر کوئی جان بوجھ کر غلطی کرتا ہے، تو وہ اللہ کے حضور اس کا جوابدہ ہوگا، اور بعض اوقات اس دنیا میں بھی۔ انہیں معاف کرنے کا مطلب انصاف کا انکار کرنا یا اس نقصان سے آنکھیں چرانا نہیں ہے جو پہنچایا گیا۔ بلکہ اس کا اصل مفہوم دل کو نفرت، انتقام اور اخلاقی برتری کے زعم سے پاک رکھنا ہے۔

پھر انہوں نے اس قرآنی پس منظر کا ذکر کیا جو اس حکم کو ایک جذباتی وزن دیتا ہے۔ انہوں نے مجھے سورہ النور کی وہ آیت یاد دلائی جو ایک انتہائی تکلیف دہ واقعے کے بعد نازل ہوئی تھی: یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائے گئے جھوٹے الزامات کا واقعہ۔ وہ نقصان کوئی فرضی نہیں تھا؛ وہ ذاتی، سماجی اور انتہائی توہین آمیز تھا۔ اس میں ملوث کچھ لوگ اجنبی نہیں تھے۔ وہ رشتہ دار تھے۔ وہ ایسے لوگ تھے جو ان کے حسنِ سلوک کے مرہونِ منت تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، جو ایسے ہی ایک رشتہ دار کی مالی مدد کر رہے تھے، فطری طور پر شدید رنجیدہ تھے۔ ان کا انسانی ردِ عمل یہی تھا: میں کسی ایسے شخص کی مدد کیوں جاری رکھوں جس نے میرے خاندان کی عزت پر حملہ کیا؟ یہی وہ وقت تھا جب قرآن نے ایک ایسا سوال پوچھا جو انسان کے تمام اخلاقی دفاع کو چیر کر رکھ دیتا ہے: کیا آپ نہیں چاہتے کہ اللہ آپ کو معاف کر دے؟

یہ نصیحت کوئی جذبات سے عاری نہیں تھی، اس نے درد کا انکار نہیں کیا، بلکہ دل کا رخ بدل دیا۔ انہوں نے وضاحت کی، "یہاں معافی کمزوری نہیں تھی۔ یہ اخلاقی بلندی تھی۔"

جس بات نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یہ تھی کہ کس طرح اندرونی کیفیت کو بیرونی نتائج سے الگ کرنے کی ضرورت ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو غلطی کا انکار کرنے کے لیے نہیں کہا گیا تھا۔ ان سے یہ چاہا گیا تھا کہ وہ اس سے بالاتر ہو جائیں اور اپنے روح کے رشتے کو اللہ کی رحمت سے جوڑے رکھیں۔

پھر انہوں نے ایک ایسی بات کہی جس نے خاموشی سے میرے رشتوں کو دیکھنے کا زاویہ بدل دیا۔ "لوگوں کے ساتھ کبھی ان کے معیار کے مطابق معاملہ نہ کیجیے،" انہوں نے کہا۔ "ان کے ساتھ ہمیشہ اپنے معیار کے مطابق معاملہ کیجیے۔"

یہ جملہ میرے ذہن میں بیٹھ گیا۔ اگر میں ہر بار کسی کے برے رویے کی وجہ سے اپنا معیار گرا دوں، تو میری اخلاقیات محض ایک ردِ عمل بن کر رہ جائے گی۔ لیکن اگر میں اپنے معیار پر قائم رہوں، جہاں جہالت ہو وہاں چشم پوشی کروں، اور جہاں شرمندگی ہو وہاں معاف کر دوں، تو میرا وجود فکری و قلبی طور پر مستحکم رہے گا۔

انہوں نے مجھے ایک باریک لیکن خطرناک چیز کے بارے میں خبردار کیا۔ "جب آپ حد سے زیادہ دوسرے شخص کے رویے پر توجہ مرکوز کر لیتے ہیں، تو آپ اسے کنٹرول کرنا چاہتے ہیں۔ اور کنٹرول کرنا آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ یہیں سے مایوسی جنم لیتی ہے۔"

میں نے فوری طور پر اپنے اندر جھانکا۔ وہ غصہ، وہ چڑچڑاپن، اور وہ اندرونی بحثیں اس واقعے کی وجہ سے نہیں تھیں۔ وہ میری اس ضد کی وجہ سے تھیں کہ ایک خاص نتیجہ حاصل ہو: انہیں سمجھنا چاہیے، انہیں بدلنا چاہیے، انہیں الگ رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ لیکن یہ اصرار کرنا کبھی میری ذمہ داری تھا ہی نہیں۔

انہوں نے نرمی سے کہا، "میرا کام زبردستی اصلاح کرنا نہیں ہے۔ میرا کام اس طریقے سے ردِ عمل دینا ہے جو مجھے اللہ کے قریب کر دے۔

اس بات نے معافی کے تصور کو دوسرے پر احسان کے بجائے اپنے امتحان کے ساتھ وفاداری کے طور پر بدل دیا۔ چشم پوشی کرنا اپنی اندرونی دنیا کو زہر آلود ہونے سے بچانے کا ایک ذریعہ بن جاتا ہے۔ معافی دل کو اس رحمت کے سانچے میں ڈھالنے کا طریقہ بن جاتی ہے جس کی امید میں خود رکھتا ہوں۔

اس گفتگو کے اختتام پر مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ عفو و درگزر کوئی ظاہری نمائش نہیں، بلکہ ایک خاموش جدوجہد ہے۔ یہ تسلسل کے ساتھ ایک عزم ہے کہ کسی دوسرے کی خطا کو یہ اختیار نہ دیا جائے کہ وہ میری شخصیت کا تعین کرے۔ اور غالباً یہی سبب ہے کہ قرآنِ کریم نے اس سوال کو اس منفرد اسلوب میں پیش کیا: 'کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے؟'

کیونکہ، آخر کار، معافی کا تعلق دوسروں سے نہیں ہے۔ اس کا تعلق میرے اس دل سے ہے جسے میں آگے لے جا رہا ہوں۔